# نعشوں پر اڑتی فاختائیں

جاوید چودھری

کرنل امام پاکستانی افسر ہیں، ہرات میں پوسٹ ہیں۔ایک سال پہلے میں نے ان سے افغانستان اور پاکستان میں فرق پوچھا تو انہوں نے مختصری بات کی اور خاموش ہوگئے۔انہوں نے بتایا، وہ ہرات سے چلے تو ان کے ساتھ صرف ایک ڈرائیور تھا، ان دونوں نے قریباً اٹھارہ گھنٹے سفر کیا، ان اٹھارہ گھنٹوں میں انہیں اکیلا پن محسوس ہوا اور نہ ہی انہیں سفر کے اندیشوں نے گھیرا، ان کے پاس اپنی حفاظت کیلئے چاقو تک نہیں تھا لیکن جونہی یہ لوگ طورخم پہنچے تو انہیں پشاور جانے کیلئے مسلح محافظوں کی ضرورت پڑگئی، کرنل امام نے بتایا جب وہ پاکستانی چیک پوسٹ سے آگے نکلے تو پیراملٹری فورسز کے جوانوں کی ایک گاڑی ان کے آگے تھی اور ایک پیچھے!

یہ افغانستان تھا، ۱۹۹۶ء سے ۲۰۰۱ء تک کا افغانستان، جس میں بھوک، غربت اور افلاس کے باوجود امن تھا، جس نے ثابت کردیا، جرم کا غربت اور افلاس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا، اگر قانون مضبوط اور قطعی ہو تو بھوکا بھوک سے تو مرسکتا ہے لیکن سامنے پڑی روٹی نہیں اٹھاتا، افغانستان کے نوے فیصد علاقے میں چوری نہیں ہوتی تھی، ڈاکے نہیں پڑتے تھے، قتل نہیں ہوتے تھے، لڑائی جھگڑا اور دنگا فساد نہیں ہوتا تھا، آبروریزی اور چھیڑ چھاڑ نہیں ہوتی تھی، تانکا جھانکی اور لوٹ کھسوٹ نہیں ہوتی تھی، ملاوٹ، چور بازاری، کم تول اور بلیک مارکیٹنگ نہیں ہوتی تھی، انصاف سب کو ملتا تھا، حکام تک رسائی سب کو حاصل تھی، مساوات اور برابری تھی، قرآن قانون تھا اور عالم منصف، اطاعت امیر کا یہ عالم تھا کہ حکمران نے حکم دیا ''اپنا اپنا اسلحہ جمع کرادیں'' پورا افغان معاشرہ اڑھائی ہزار سال کی تاریخ میں پہلی بار غیر مسلح ہوگیا، امیر نے حکم دیا ''اب ملک میں افیون، چرس اور ہیروئن کا کاروبار نہیں ہوگا'' ایک ہی ہفتے میں وہ معجزہ ہوگیا جو یورپی ادارے کروڑوں ڈالر اور برسوں کی محنت کے باوجود نہ کرسکے، حکومت نے روپے پیسے کے بغیر سڑکیں، پل اور ڈیم بنانے کا قصد کیا، ڈیم بن گئے، پل تعمیر ہوگئے، سڑکیں تیار ہوگئیں، حکمرانوں نے غیر ملکی امداد کے بغیر بجلی گھر چلائے، ٹیلی فون لائنیں بچھائیں، ٹرانسپورٹ کا نظام ٹھیک ہوگیا۔اس دور میں ۱۹۸۰ء سے ۱۹۹۶ء کے مقابلے میں افغانستان میں خوشحالی تھی، امن تھا اور سکون تھا، پورے افغانستان میں حکومت کے خلاف کوئی نعرہ نہیں لگا، کوئی احتجاج نہیں ہوا، کوئی جلسہ، کوئی جلوس نہیں نکلا لیکن یہ افغانستان امریکہ اور یورپ کیلئے قابل قبول نہیں تھا، امریکہ نے کبھی برقعے کے نام پر، کبھی خواتین کی تعلیم، کبھی جبری داڑھی، کبھی بت شکنی اور کبھی عیسائی مبلغین کے نام پر طالبان کی شدید مخالفت کی، کبھی ان لوگوں کو انتہا پسند کہا، کبھی

انہیں دہشت گرد کا نام دیا اور کبھی انہیں انسانیت کا دشمن ثابت کر کے ان پر پابندیاں عائد کریں اور آخر میں ان لوگوں کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پینٹا گون کے مجرم قرار دے کر ان پر حملہ کر دیا، سات اکتوبر سے تیرہ نومبر تک امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے ایٹم بم کے سوا اپنا سارا اسلحہ ان پر لوگوں پر استعمال کیا، امریکہ نے ان پر ٹام ہاک کروز میزائل، اے ایم ایم بم، ایم کے ۸۲ ڈمب بم، پی ایل یو ۸۲ ڈیزی کٹر بم، جی بی یو ۲۷ بنکر لینڈنگ بم اور کلسٹر بم چلائے، پورے افغانستان میں بموں کے قالین بچھا دیئے۔ یہ کارروائی مسلسل ۳۸ روز تک جاری رہی، یہاں تک کہ ۱۳ نومبر کی صبح طالبان نے کابل خالی کر دیا اور امریکہ کے حامی شمالی اتحاد کی فوجیں افغانستان کے دار الحکومت میں داخل ہو گئیں۔

اب دیکھئے! ۱۳ نومبر اور ۱۳ نومبر کے بعد کیا ہوا؟ شمالی اتحاد کے فوجیوں نے باریش لوگ پکڑے، ذبح کئے اور نعشیں درختوں پر لٹکا دیں، زخمی طالب کو مورچے سے گھسیٹا، تلاشی لی اور چھاتی پر برسٹ مار دیا، رائفلوں کے بٹ مار مار کر لوگوں کو شہید کر دیا، بوڑھے شخص کے منہ میں مارٹر کا گولہ ٹھونس دیا، نعشوں کو ٹھڈے مارے، شہر میں دکانیں لوٹ لیں، خواتین کی بے حرمتی کی، نابالغ لڑکے اغوا کر لئے، بنک لوٹ لئے، خواتین کے برقعے نوچ لئے، ریڈیو پر موسیقی بجانی شروع کر دی، کابل شہر مختلف کمانڈروں نے آپس میں تقسیم کر لیا، وہ افغانستان جس کا نوے فیصد حصہ ایک حکومت تلے متحد تھا وہ افغانستان ایک ہی رات میں بارہ حصوں میں تقسیم ہو گیا، اس میں نصف درجن حکومتیں قائم ہو گئیں اور ہر حکومت نے اپنے دستور کا اعلان کر دیا۔ افغانستان جس میں لوگ بیوی بچوں اور ڈھور ڈنگروں کے ساتھ اپنے اپنے گھروں میں پر امن زندگی گزار رہے تھے۔ اس افغانستان میں وسیع پیمانے پر نقل مکانی شروع ہو گئی اور صرف ایک ہی رات میں افغانستان ۲۰۰۱ء سے نکل کر ۱۹۹۵ء میں داخل ہو گیا، ۱۹۹۵ء میں جب ایک افغانی ایک کلو گڑ لینے نکلتا تھا۔ تو وہ بکتر بند گاڑی یا ٹینک کے بغیر بازار نہیں پہنچ پاتا تھا۔ مجھے یقین ہے آج اگر کوئی کرنل امام ہرات سے نکلے تو وہ دس بیس ہزار جوانوں اور دو تین سو ٹینکوں کے ساتھ ہی جلال آباد پہنچ سکے گا۔ یہ ایک فرق ہے، کل طالبان تھے تو برطانوی صحافی رڈلی کی عصمت بھی محفوظ تھی اور جان بھی، عیسائی مبلغین اس دور میں بھی محفوظ تھے۔ جب افغانستان میں امن تھا اور ان دنوں میں بھی ان کا بال بیکا نہیں ہوا۔ جب ان کے ہم مذہب آسمان سے قہر اور آگ برسا رہے تھے اور ان کی آگ میں سینکڑوں ہزاروں معصوم اور بے گناہ لوگ بھسم ہو گئے۔ لیکن جس دن یہ لوگ رخصت ہوئے اسی دن شمالی اتحاد کے ساتھ فتح کے ترانے بجاتے ہوئے آنے والے تین غیر ملکی صحافی جان سے چلے گئے۔ ذرا دیکھئے! یہ افغانستان آگ کی طرح دہکتا اور لاوے کی طرح بہتا افغانستان، ایک دوسرے کا گلہ کاٹتا، ایک دوسرے سے لڑتا جھگڑتا خانہ جنگی، بدامنی اور افراتفری کا شکار افغانستان نہ صرف امریکہ کو قبول ہے بلکہ وہ اس پر خوش بھی ہے۔ آج افغانستان میں نعشیں بکھری پڑی ہیں۔ نالیوں میں خون بہہ رہا ہے، کمانڈر آپس میں برسرپیکار ہیں، لوٹ کھسوٹ، آبروریزی اور قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے۔ لیکن امریکہ خوش ہے۔

بش اور ٹونی بلیئر ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے ہیں۔ یہ کیا ہے؟

یہ کیا ہے! یہ دہشت گردی کے خلاف جنگ تھی یا امن کے خلاف، یہ بے انصافی کے خلاف مہم تھی یا انصاف، عدل اور مساوات کے خلاف، خدا کی قسم اس سٹینڈرڈ کو تو ڈبل سٹینڈرڈ کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ یہ کیا اصول، یہ کیا قانون ہے ایک قوم اپنی انا کی تسکین کے لئے پوری دنیا تباہ کر دے تو یہ اس کا حق ہے۔ لیکن وہی قوم دوسری قوم کو اپنی مرضی اپنی رضا سے سانس لینے کا استحقاق تک دینے کے لئے تیار نہیں، یہ کیا لوگ ہیں جو نعشوں پر کھڑے ہو کر امن کی فاختائیں اڑاتے ہیں۔ جو کھوپڑیوں کے میناروں پر شانتی کے پرچم لہراتے ہیں اور سات براعظموں پر پھیلی اس زمین پر ان کا ہاتھ روکنے والا کوئی نہیں، کوئی نہیں جو انہیں بتا سکے حضور پھول گملوں میں اُگا کرتے ہیں، بموں کے خولوں اور توپوں کے دہانوں میں نہیں اور امن کے گیت انسان گایا کرتے ہیں نعشیں نہیں۔ (مطبوعہ: روزنامہ ''جنگ'' لاہور، ۱۷ر نومبر ۲۰۰۱ء)


# ماہانہ مجلس ذکر و اصلاحی بیان

دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی۔ ملتان / ۲۷ر دسمبر ۲۰۰۱ء بروز جمعرات، بعد نماز مغرب

ابن امیر شریعت، حضرت پیر جی دامت برکاتہم

## سید عطاء المہیمن بخاری

(امیر مجلس احرار اسلام پاکستان)

الداعی: سید محمد کفیل بخاری، ناظم، مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی۔ ملتان فون: 061-511961